ڈاکٹر صدف فاطمہ

22-E، بلاک6، PECHS

محمد علی جناح یونیورسٹی، کراچی

سحر انصاری اور نمود

Although several essays have been written about Sehar Ansari by his colleagues and other writers but the most important view about him is by Faiz Ahmed Faiz, who gave his comments as "the poetry is from an educated and broadminded poet which is a valuable edition in poetry".

Similarly, professor Majnoon has given his view about redacts of Sehar Ansari that his credits include philosophical norms of both the cast and the west, especially, when he explains glossary of credits by using simple example.

سحر انصاری کی شاعری کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ (۱)

سحر انصاری لکھنے والوں میں بھی ایک اعتبار رکھتے ہیں اور پڑھنے والوں میں بھی انہیں معتبر سمجھا جاتا ہے۔ یہ اعتبار انہیں کسی اونچی سرکاری کرسی پر بیٹھ کر یا کسی بازار میں بڑی دوکان سے خرید کر نہیں ملا ہے۔ بلکہ انہوں نے اس اعتبار تک پہنچنے کے لئے ریزہ ریزہ اپنے وجود کو پگھلایا ہے اور اپنی ریاضتوں اور اپنی محنتوں سے علم و دانش کے وہ خال و حد تراشے ہیں جو ان کی تحریروں کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔(۲)

سحر انصاری کی شاعری غم کی امین ہے اور اس غم سے نمو بھی پاتی ہے۔ یہ وجود کا غم ہے۔ اس نظام شمسی میں وجود کے یقین اور اعتبار کا غم ہے۔ تہذیبوں کے مٹنے اور ریزہ ریزہ ہوجانے کا غم ہے۔ معاشرتی حد بندیوں کا غم ہے۔ سود و زیاں کے پیمانوں سے آدمی کی قدر و قیمت کو گھٹانے بڑھانے کا غم ہے۔ ان کی نظموں کو پڑھتے ہوئے مجھے کئی بار یہ احساس ہوا کہ ہماری جدید نظم نگاری میں ایک فانی پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ فانی اور سحر انصاری میں ہر لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ یہاں میری مراد اس فرق سے نہیں ہے جو غزل اور نظم کے صنفی تقاضوں سے پیدا ہوتا ہے۔ دونوں کے یہاں غم کی کارفرمائی ہے۔ البتہ انداز اور رخ مختلف ہیں۔ فانی غم نواز شاعر بھی ہیں۔ سحر انصاری غم نواز نہیں ہیں۔ بلکہ غم شناس ہیں۔ اس غم شناسی کی ان کے یہاں کئی جہتیں ہیں جو عہد جدید کے علم و ادب کے گہرے مطالعے اور خود ان کی رسیدہ شعری شخصیت سے پیدا ہوئی ہیں۔ مذہب، اخلاق، سیاست، سرمایہ و محنت اور جسم و جان کی آمیزش اور آویزش نے آدمی کو کیا بنایا اور کیا بنا رہی ہے۔ حیاتیاتی اور طبعیاتی عمل کے تحت رینگتا ہوا آدمی معاشرتی عمل کے دائرے میں آکر کیونکر کھڑا ہوا آگے بڑھا اور آج کدھر بڑھ رہا ہے۔ اور پھر معاشرتی عمل کا دائرہ جو دائرہ در دائرہ ہے کتنا پھیلتا جا رہا ہے۔ ان تمام پہلوؤں پر سحر کی شاعری غور کرنے میں مصروف ہے۔ یہ ایک ایسی سوچتی ہوئی شاعری ہے جو دوسروں کو بھی سوچنے پر مائل

کرتی ہے۔غور وفکر کا یہ پہلو کسی اور نئے شاعر کے یہاں اس انداز سے نہیں ملتا۔ بیشتر نئے شعراء کے یہاں ادغائے فکر ہے۔(۳)

فانی کے یہاں غم معبود ہے۔سحر انصاری کو اب تک کوئی معبود نہیں مل سکا۔ان کے غم کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے۔(۴)

سحر انصاری کے یہاں ان نظموں میں بھی جن میں ہجرو وصال کی باتیں ہیں۔غور وفکر کا عنصر ملتا ہے۔عہد فراموش،جسم و جان دونوں کی تازہ کرنے والی نظم ہے۔مگر سوچ کی کڑواہٹ اس میں بھی گھلی ہوئی ہے۔غور وفکر کے بادل جو سحر انصاری کی شاعری پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ان کی نظموں کو بوجھل اور مرطوب نہیں بناتے۔یہ کوئی معمولی فن کاری نہیں ہے۔وہ فن کا احترام کرتے ہیں۔ان کی فکر کی تازگی ان کے مصرعوں کی روانی بن گئی ہے۔ان میں بڑا دم ہے۔طویل نظموں میں ان کی لمبی سانس کہیں ٹوٹتی نہیں۔ان کی شاعری سانس کی آمدوشد کے نظام سے واقف ہے۔اس لئے طویل نظمیں ہوں یا مختصر دونوں کے انتظامِ نفس میں فرق نہیں آنے پاتا۔(۵)

سحر انصاری کی آواز میں دکھ ہے مگر اسی کے ساتھ یہ ڈری ہوئی سہمی ہوئی آواز نہیں ہے یہ بے خوف اور بے لاگ آواز ہے۔ان کی ایک نظم بھی ایسی نہیں ہے جس میں کہنے کی بات کہنے کی طرح نہ کہی گئی ہو۔یہ وہ مقام ہے جہاں شاعری کا فن اور شاعری کی شخصیت ایک ہوجاتی ہے۔ان کی نظموں میں نہ ابہام کا حبس ہے۔نہ فکر کا نہ غم کا۔

ان کی شاعری ہر حبس کو توڑتی ہوئی نکل جاتی ہے۔اور نئی آہٹوں کو سموتی رہتی ہے۔یہ مہذب اور مرتب شاعری ہے جو ایک ترقی یافتہ ذہن ہی سے ممکن ہے۔(۶)

سحر انصاری کا پہلا شعری مجموعہ نمود ہے۔جو ۱۹۷۶ء میں حیدر پرنٹرز کراچی سے ۱۹۴ صفحات پر شائع ہوا۔اس میں ۹۴ نظمیں اور ۴۱ غزلیات شامل ہیں۔

نمود پرستان کی داستان نہیں آدمی کی سرگزشت ہے۔تہذیب کے سفر کا وہ مقام ہے جہاں نقطہ آغاز وانتہا کے درمیان کا راستہ گم ہوگیا ہے کشش جو سمت و رفتار کو از خود متعین کردیتی ہے مائد پڑ گئی ہے۔نہ تو یقین و الہام کا سہارا ہے نہ عشق ہی رہنما ہے۔احساس کے نگر پر آسیب چھائے ہوئے ہیں۔ان دھندلکوں میں نظر اور نظریے فریب میں مبتلا کرتے ہیں۔بینائیاں سزا ہوجاتی ہیں۔(۷)

نمود میں انسانی نفسیات، سائنسی موضوعات، مزاج کی مختلف کیفیات اور سماجی رویوں کو جس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے وہ شاعر کے سماجی اور نفسیاتی شعور کے ساتھ ساتھ فنی گرفت کی بھی دلیل ہے۔کسی ایک شعری مجموعہ میں ایسے بہت سے اشعار کم ہی ملتے ہیں۔جو صرف آپ کو اپنی ذات اور زندگی کے بہت قریب معلوم ہوں بلکہ رواں دواں اسلوب کے سبب حافظے میں محفوظ ہوکر روزمرہ گفتگو کا حصہ بن جائیں۔(۸)

جذباتی رشتوں میں دوستی خلوص اور محبت بہت اہمیت رکھتے ہیں۔شاعری میں تغزل اور جمالیات ان سے وابستہ ہے۔نمود کے شعری افق پر دھنک رنگ بکھیرتی نظر آتی ہے۔شاعر خود آگاہ بھی ہے اور حقیقت پسند بھی۔وہ تلخی روزگار کے باوجود رومان کی حقیقت کا معترف اور مداح ہے۔محبوب اور محبت کا مزاج آشنا ہے۔(۹)

اس شاعری میں بڑی سچائی ہے۔ یہاں تک کہ محبت اور دوستی کے گہرے رشتے وقت کی کسوٹی پر پرکھے گئے اور سب کو بلا کم و کاست بیان کرلیا گیا ہے۔ تعلقات فرضی نہیں اس لئے وقت حالات اور مزاج کے زیر اثر ان کی سطح بدلتی رہتی ہے (۱۰)۔

سحر انصاری کی شاعری کو جدید عہد اور عصری زندگی کے علم سے ملا کر دیکھا جائے تو اس کے پیچھے انسان سے محبت کا جذبہ اور اعلیٰ اقدار کو بچا لینے کی خواہش محسوس ہوگی۔ اس لئے سحر انصاری اپنے عہد کے المیوں کو انسانی تاریخ سے جوڑ کر لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ طاغوتی طاقتوں اور جبری ہلاکتوں کے مقابلے میں کھڑے ہوکر اپنی بھرپور قوت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس جدید عہد میں کہنہ اور فرسودہ بلاؤں کو پتھر کا بنادیں اور یہ وہ حوصلہ ہے جو دنیا کے تمام اہم لوگوں میں مشترک رہا ہے:

ہم ایک نسلِ زیاں گزیدہ
ہماری دنیا کہیں نہیں ہے
کہیں ہماری زمین نہیں ہے
مہیب وسعت میں بے علاقہ گروہ ہیں ہم
چلے تھے انسانیت کا سرخیل بن کے لیکن
قدم قدم ٹھوکریں ہی کھائیں
ہمیں ملے آگہی کے طعنے
ہماری بینائیاں ہمارے لئے سزا تھیں
ہماری سچائیاں ہمارے لئے سزا تھیں (۱۱)

سحر انصاری اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کا اظہار اس طرح سے کررہے ہیں کہ

ہمارے چاروں طرف تو ہے وحشتوں کا ایک غول ہول انگیز
لرز رہا ہے وجود چنگیز
زبان نہ کھولو، زبان نہ کھولو
دلیل و دعوے کی منزلیں اب گزر چکی ہیں
نشید و نغمات کی روایات مرچکی ہیں
ہمارے محبوب جسم ہر سو سسک رہے ہیں
وہ بے یقینی کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں

کسی کے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں
کسی کے پستان کٹے ہوئے ہیں
یہ آگ اور خون کے سمندر
ابھر رہے ہیں عتاب در بر
نہ جنگ ناوارو دار ہے اب
نہ ظلمتوں سے قرار ہے اب
نہ پھول ہے اب، نہ جار ہے اب (۱۲)

سحر انصاری اپنی نظم کے آخر میں مایوسی کے بعد امید پیدا کررہے ہیں کہ ایک دن ایسا ہوگا کہ بہتری آجائے گی اس کا اظہار اس طرح سے کررہے ہیں کہ

مجھے خبر ہے کہ جو بھی طوفان نوح کے بعد بچ گئے تھے
وہی علامت تھے روشنی کی
وہی صداقت تھے آدمی کی
وہی شہادت تھے زندگی کی
اس ایک طوفان کا ذکر ہی کیا
افق کے دامن میں ایک کشتی ابھر رہی ہے
افق کے دامن میں ایک کشتی ابھر رہی ہے۔ (۱۳)

سحر انصاری اپنی نظم یوحنا میں گناہ اور ثواب کے تصور کو جگہ جگہ بیان کررہے ہیں اور کہ رہے ہیں کہ ان کے سینے گناہ گاروں کی قبر کی طرح تنگ و تاریک ہوچکے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ وہ نہ مانیں گے
ان کے سینے گناہ گاروں کی قبر کی طرح تنگ و تاریک ہوچکے ہیں
ہوس کی آب و ہوا نے ان کا ضمیر مرجھا کے رکھ دیا ہے
اور ان کی رگ رگ میں طبعِ طاغوت آگ بن کر دہک رہی ہے
اور ان کے جسموں کی کھیتیوں میں جزام کی فصل پک رہی ہے۔ (۱۴)

سحر انصاری نہایت منفرد انداز سے خدا سے شکوہ کررہے ہیں۔

گواہ رہنا
ضمیر اقوام عہد حاضر گواہ رہنا
یہی مری آزمائشیں تھیں
سو میں نے ان آزمائشوں کو
اپنی معجز نمائیوں سے سوا نہ پایا
گواہ رہنا کہ دفتر حرص و آز کے لب (۱۵)

شاعر کی سب سے بڑی خواہش اپنے محبوب کو دیکھنے کی ہوتی ہے۔ اپنی نظم انتظار میں اس کا اظہار اس طرح سے کرتے ہیں کہ

رات بھر بارش دریچے کے قریب
موتیے کی بیل سے لپٹی ہوئی
قطرہ قطرہ زہر برساتی رہی
میری آنکھوں کو ترے چہرے کی یاد آتی رہی (۱۶)

انسان کے دل میں جو ہوتا ہے اسے خواب میں وہی نظر آتا ہے۔ شاعر نے اپنی نظم میرے خواب میں منفرد انداز سے اپنے دل کی کیفیت بیان کی ہے۔

ہیں صدف کتنے ریگِ ساحل پر
صف بہ صف کتنے داغ ہیں دل پر
کتنے رہرو لٹے ہیں منزل پر
لوحِ افسانہ شباب لکھوں
سوچتا ہوں کہ اپنے خواب لکھوں (۱۷)

سحر انصاری کی شاعری کو جدید عہد اور عصری زندگی کے علم سے ملا کر دیکھا جائے تو اس کے پیچھے انسان سے محبت کا جذبہ اور اعلیٰ اقدار کو بچا لینے کی خواہش محسوس ہوگی۔ وہ طاغوتی طاقتوں اور جبری ہلاکتوں کے مقابلے میں کھڑے ہوکر اپنی بھرپور قوت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس جدید عہد میں کہنہ اور فرسودہ بلاؤں کو پتھر کا بنادیں اور یہ وہ حوصلہ ہے جو دنیا کے تمام اہم لوگوں میں مشترک رہا ہے۔ وہ اپنی نظم قابیل کا سایہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

خدا خاموش ہے اور خوف و غم سے نیم جان انسان
ہوا کی لہر کو بھی موت کی آہٹ سمجھتے ہیں

کسی کو کچھ نظر نہیں لیکن کوئی جذبہ
یہ چپکے چپکے کہتا ہے کہ اے ہابیل ہابیل
ہلاکت کے لئے سامان سے آراستہ ہوکر
گلی کوچوں میں آ پہنچا ہے پھر قابیل کا سایہ (۱۸)

سحری انصاری اپنی نظم ہوا میں معاشرے اور ماحول کی عکاسی کررہے ہیں ہو کہ رہے ہیں کہ وفاداریوں کی قدر نہیں ہے۔ بے حسی ہے۔تعصّبات ہیں اور اب وفا کے قدرشناس ناپید ہوگئے ہیں۔

ورنہ اس ماحول میں اپنے لئے
تنگ ہے رسوائیوں کا پیرہن
رقص کرتا ہے تصور میں ابھی
زخم خوردہ شہر کا عریاں بدن
منہ چھپاتی تیرگی کا کیا ضمیر
اپنی پرچھائیں ہے خود اپنا کفن (۱۹)

تاریخ انسانی میں گوتم بت کی مثال ہر خطہ ارض کے انسانوں کو متاثر کرتی ہے۔گوتم نے صداقت کی تلاش میں تخت وتاج کو چھوڑ دیا اور نروان حاصل کرنے کے لئے وہ نفس کشتی کی کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

سحر انصاری کو گوتم کا مجسمہ دیکھ کر گوتم کی شخصیت ان کی تعلیمات اور اہل شعور پر ان کے اثرات کا خیال آیا جسے انہوں نے اپنی نظم میں بیان کیا ہے۔

سنگ سادہ سے تراشا ہوا برگر کا شجر
نقش یہ کتنا حسین کتنا سکون پرور ہے
اور پتھر کے سنگھاسن پر تشنہ اک شخص
کس قدر حلم و متانت کا حسین مظہر ہے
ہے منقش ورق سنگ پہ سارا ماحول
زندگی کا لب اظہار فقط پتھر ہے (۲۰)

سحر انصاری اپنی نظم گفتگو میں اپنے محبوب کا غائبانہ تذکرہ کررہے ہیں محبوب سے گفتگو کے بعد ایک نئی امنگ اور تروتازگی پیدا ہوتی ہے۔اس کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ

اس سے گفتگو کے بعد
روح کی طویل رات
شمعِ حرف تازہ سے
جگمگا اٹھی
اس کے پاس بیٹھ کر
ذہن کی اداس شام
سحر لمس جسم سے
گنگنا اٹھی (۲۱)

خزاں کے چاند میں شاعر نے اداسی کا منظر پیش کیا ہے۔ لوگ تکلیف میں مبتلا ہیں مگر پھر بھی خدا کو یاد نہیں کر رہے ہیں۔

گرجا کے ستون کے پاس ہے چاند
عیسیٰ کی طرح اداس ہے چاند
کیا جانے کدھر گئے حواری
تارے درماہ کے بھکاری
خاموش سی اک صلیب سنگین
تصویرِ وفودِ جان سپاری
تثلیث کا صرین تبسم
کفارہ دہ گناہ گاری (۲۲)

شاعر تنہائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ گزرا ہوا وقت ان کے سامنے کیمرے کی ریل کی طرح چل رہا ہے۔ زندگی کا شور شرابہ گزر گیا ہے۔ اب خاموشی اور اداسی ہے۔ زرد سورج کو امید کی کرن سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

مہیب روحوں کے قہقہوں میں
کچھ اجنبی اجنبی صدائیں ابھر رہی ہیں
وقت کا چاک چل رہا ہے
زمین کی سانس اکھڑ رہی ہے
میں سوچتا ہوں

وہ زرد سورج نجانے کب آئے گا کہ جس کا

کتاب سیارگاہ میں وعدہ کیا گیا ہے۔ (۲۳)

نظم تم اور میں شاعر کہہ رہے ہیں کہ جس طرح پھول شاخ پر کھلا ہوا ہوتا ہے۔ خزاں کا موسم اس پر قیامت کی طرح آتا ہے۔ اور وہ بکھر جاتا ہے۔ اسی طرح انسان پر اچھا اور برا وقت آتا ہے۔ انسان کے زخم زندگی کی حقیقت ہوتے ہیں۔ انسان اس سے فرار حاصل نہیں کرسکتا۔

تم کیوں کسی کو خاطر کو لاؤ

تم شاخِ گل ہو

دست خزاں کے کیوں ناز اٹھاؤ

میں کیوں یہ سوچوں

میں ہوں انا کا زخمی پرندہ

زخموں کو لے کر اڑ کیوں نہ جاؤں (۲۴)

شاعر اپنی نظم موئن جودڑو میں بیان کررہے ہیں کہ ایک تہذیب ختم ہوتی ہے تو نئی تہذیب اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس کو اپنی نظم میں اس طرح بیان کررہے ہیں کہ

مردہ تہذیب

زندہ تہذیب کے ارادوں پر ہنس رہی ہے

مردہ تہذیب شرم سے

لحہ لحہ مٹی میں دھنس رہی ہے (۲۵)

شاعر عہد فراموش میں محبوب کی محبت کے بارے میں بیان کررہے ہیں کہ اس کے لب ذہن نشین ہیں۔ اس کی موجودگی خوشی کا باعث ہے۔ مگر وہ اس کے لئے اجنبی ہے۔

خلوص و محبت کے ان تجربات میں لیکن

یہ تجربہ بھی نیا ہے کہ بزم ناز میں تم

ملی ہو آج اک انجان اجنبی کی طرح (۲۶)

سحر انصاری اپنی نظم سودائی میں شہر کی ویرانی کا تاثر پیش کیا ہے۔ ہوا شہر میں گھوم رہی ہے۔ سورائی بھی گھوم رہا ہے۔ انسان ہی دراصل سودائی ہے۔

شہر کی سنسان گلیوں میں مگر

ذرد پتوں کے کھڑکنے کی صدا
مثلِ شور دستک طفلانِ شہر
ہے زمستان کے تعاقب میں رواں (۲۷)

شاعر نے اپنی نظم یادداشت میں اپنی غم زدہ زندگی کا ذکر کیا ہے کہ اس کو پہلا غم کب ملا۔ اس کے بعد اس نے پوری زندگی غموں ہی میں گزار دی۔ اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

حافظہ پر زور دے کر بھی یہ کہہ سکتا نہیں
زندگی کے کون سے لمحے میں میری آنکھ نے
چاند سورج کی نگاہوں سے کیا تھا اکتساب
کب ہوا کے لمس نے مہکائے تھے غم کے گلاب
کون سا لمحہ تھا بحرِ وقت کا پہلا حباب (۲۸)

سحر انصاری اپنی نظم دیمک میں گزرے ہوئے لمحوں کو بیان کررہے ہیں کہ گزرے ہوئے لمحے تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔

کتابوں کی دشمن
کتابوں کی دشمن بھی ایسی کہ لفظوں کے رشتوں کو یکسر مٹادے
غنیموں کے لشکر کی جاسوس بن کر
فصیلوں کے ہمراہ شہروں کو ڈھانے کے سب گر بتادے
تو یوں ہو کہ سنساں ہوجائیں سب
سانس لیتی ہوئی بستیاں ایک پل میں (۲۹)

شاعر نے اداسی کی کیفیت کو اپنی نظم کبھی کبھی میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

کبھی کبھی تو یوں محسوس ہوا کرتا ہے
جیسے لفظ کے سارے رشتے بے معنی ہیں
لگتی ہے کانوں کو اکثر
خاموشی
آواز کے سناٹے سے بہتر
سادہ کاغذ
لکھے ہوئے کاغذ سے اچھا لگتا ہے (۳۰)

سحر انصاری نے گریجویشن سائنس کے مضامین میں کیا تھا۔ اس دوران روزانہ پریکٹیکلز بھی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گریجویشن کے تعلیمی دور کے بیتے تجربوں کو بیان کررہے ہیں۔نظم تجربہ گاہ میں ایک دن میں خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں کہ

نلکیوں اور مشینوں کی فضا میں آ کر
اپنے کمرے کے دریچے سے لگی بیل کا کچھ دھیان آیا
نہ مجھے رات کی آوارہ ہوا یاد آئی
میری آنکھوں نے میرے ذہن سے سازش کر لی
اپنے دامن میں نئے رمز کی لذت بھر لی۔ (۳۱)

سحر انصاری اپنی نظم حساب شب میں اپنا محاصبا کررہے ہیں جیسے ان کو بھلائی کرنی چاہئے تھی انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

میں اپنے آپ میں گم صم اداس داماندہ
یہ سوچتا ہوں کہ کیا حق ہے مجھ کو جینے کا
نہ ماہتاب مرا ہے، نہ آفتاب مرا
نہ دن کے رنگ مرے ہیں، نہ لطفِ خواب مرا (۳۲)

ہوا کے نوحے میں شاعر نے اداسی کے لمحوں کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

یہ ایک پرچھائیں جسم کو ڈھونڈنے چلی ہے
جو شاید اپنی اداس پرچھائیں سے بچھڑ کر
ہوا کے نوحوں میں بازگشت صدا کی تشکیل کررہا ہے
کسی ادھورے گناہ کی تکمیل کررہا ہے (۳۳)

عرصہ جنگ میں سحر انصاری نے زندگی کو جنگ سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح جنگ کے زمانے میں تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کو جنگ کی مانند قرار دیا ہے۔

عرصۂ زیست ہے وہ عرصہ جنگ
جس میں ہر ہر قدم پہ ہے پیکار (۳۴)

سحر انصاری اپنی نظم تمنا کا غداب میں اپنی نامکمل آرزوؤں کا غم بیان کررہے ہیں۔

میں جو پتھر ہوں، ہمیشہ سے نہیں ہوں پتھر
نہ مری روح تھی پتھر نہ مرا خوں پتھر
میں بھی ہستی تھا حرارت تھا توانائی تھا
وادخواہ خرد افروزئ بینائی تھا (۳۵)

شاعر اپنی نظم کنار بحر میں اپنی محبت میں گزارے ہوئے لمحوں کو یاد کررہے ہیں ان وعدوں اور وفاؤں کو تحریروں میں بیان کررہے ہیں جو کبھی حال ہوتی ہیں اور پھر ماضی کا حصہ بن جاتی ہیں۔

کیا تمھیں یاد ہے وہ شام گریزاں اب تک
دامن بحر میں چہرے کو چھپائے سورج
موج در موج گزرتا ہی چلا جاتا تھا (۳۶)

شاعر نے اپنی نظم برٹرینڈ رسل میں غلامی کے بعد کی آزادی پر لکھا ہے۔ رسل نے دانش فلسفہ کے مباحث عام کرنے کے علاوہ امن عالم کے قیام کے ضمن میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ ان کی شخصیت کے اس رخ کو نہایت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

زخم ہوا ہو کبھی پرچم صداقت پر
کبھی وہ امن کی ہیکل میں مثل عود جلا (۳۷)

شاعر نظام شمسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

سطح زمین بھی چرخ بریں سے کم تو نہیں ہے
دروں میں بھی روشن چاند ستارے مل جاتے ہیں
گلیوں کی سنسان فضا میں لمحہ لمحہ
زیست کی گردش ماہ و سال بنا کرتی ہے (۳۸)

جہاں گزراں میں سحر انصاری نے زندگی کا سفر نہایت منفرد انداز سے بیان کیا ہے۔ انسان زندگی میں بہت کچھ کرتا ہے وہ ترقیاں اور کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ سب بے معنی ہوجاتی ہیں۔

رکھے ہیں میری میز پہ سب خاک کے ذرات
بکھرے ہیں مرے سامنے اوراق سماوات (۳۹)

سحر انصاری اپنی نظم فصل میں کہہ رہے ہیں کہ انسان کو ہمیشہ پرامید رہنا چاہئے۔

اڑتی ہوئی چنچل ہوا
آ کر دریچے کے قریب
شیشے کے بنجر کھیت میں
بارش کے قطرے بوگئی
اور فصل برق و بار کا
امکانِ تازہ ہوگئی
احساس کی دیوار سے
گردِ الم کو دھوگئی (۴۰)

سحر انصاری اپنی نظم دوسرا غم میں اپنی تنہائی کے دور میں جو غم جھیل رہے ہیں اس کو اس طرح بیان کررہے ہیں کہ

دوسرے غم کو چھپانے سے بھی کیا مل جائے گا
دوسرا غم بھی اسی غم کی طرح
مجھ کو مجھ سے چھین کر لے جائے گا (۴۱)

سحر انصاری اپنی نظم سیپیاں میں زندگی کو سمندر سے تشبیہ دے کر اس کی گہرائی بیان کررہے ہیں۔

ہے اپنی زندگی گہرا سمندر
جہاں ہم انبساط و غم کے مارے
خود اپنی تھاہ پاتے کے جنون میں
تمناؤں کی امواجِ سکون میں
فرد کے نرم کنکر پھینکتے ہیں (۴۲)

نظم دوراہے میں سحر انصاری نے خود کلامی کی ہے اس کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔

تم جھوٹ اور سچ کے دوراہے پر تھے
گزرے لمحوں کی آواز نے تم سے پوچھا
کیا تم سچ کی راہ پر چل سکتے ہو؟ (۴۳)

سحر انصاری نے اپنی نظم آثار خانہ میں زمانے کی ان برائیوں کو بیان کیا ہے جو انسانوں نے دوسرے انسانوں کو تکالیف دینے کے لئے سرانجام دی گئی ہیں۔

زمین کی تہہ بہ تہہ تاریکیوں میں جھانک کر دیکھو
نہ جانے کتنے سورج سو گئے اس قید خانے میں (۴۴)

سحر انصاری نے اپنی نظم زندگی میں زندگی اور موت کی کشمکش جو ازل سے ابد تک جاری ہے اس کو لفظوں میں بیان کیا ہے۔

زندگی تیرے نام پر ہم نے
خیر و شر کے طلسم خانے میں
آفرینش کے وقت سے اب تک
کتنے فسوں جگائے ہیں لیکن
ہر فسوں تو نے ہنس کے توڑ دیا (۴۵)

سحر انصاری اپنی نظم ابھی جو پیدا نہیں ہوئے ہیں میں مستقبل کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

میں ان کے بارے میں سوچتا ہوں
ابھی جو پیدا نہیں ہوئے ہیں
جو اپنی ماؤں کی کوکھ میں زندگی سے ہم رشتہ ہو چکے ہیں
جو گردش خون وحدت قلب سے بھی وابستہ ہو چکے ہیں
میں ان کے بارے میں سوچتا ہوں (۴۶)

سحر انصاری نے نظم خزاں کی برف میں بہار کی آمد کا منظر بیان کیا ہے۔

خزاں کی برف پگھلنے لگی پہاڑوں پر
افق پہ آئی نظر طائروں کی پہلی صف
سفیر موسم احساس، ہجرتوں کے نقیب
پروں میں تازہ ہواؤں کی نرمیاں لے کر
نئی فضا میں بنانے کو ہیں نئے مسکن (۴۷)

سحر انصاری کی نظم سر راہ ان کی بہترین نمائندہ نظم ہے۔ اس نظم کو خارجی سطح یا اوپری سطح تو مفلسی، غریبی یا مجبوری کو اظہار میں لاتی ہے۔ لیکن اپنی معنوی جدوں میں یہ نظم انسان کا المیہ ہے۔ اقدار کا المیہ ہے عقل و جدان کا المیہ ہے۔ جو سوال بن کر ہم سے پوچھتا ہے کہ آزاد زندگی کو مجبور زنجیروں میں جکڑنے والے کون لوگ ہیں وہ لوگ کہاں رہتے ہیں

جنہوں نے اس زمین کو سمندروں کو، صحراؤں کو، جنگلوں کو، پہاڑوں کو اور خلاؤں سے لے کر ماہ و مریخ تک کو اپنی ہوس کا زندان بنالیا ہے۔ تاریخ کے تواتر اور انسانی مجبوریوں کے تسلسل میں یہ دیکھی اور ان دیکھی بلائیں ہمارا مقدر کیوں ہیں۔

لمحہ بھر کے لئے چلتے چلتے قدم رک گئے
خون کے تازہ تازہ نشان چھوڑ کر
کھانستی زندگی دونوں ہاتھوں سے سینے کو تھامے ہوئے
جانے کس موڑ پر جاکے گم ہوگئی
راستے کی سیاہی سے لپٹا رہا
اک اثاثہ جیسے اپنے وارث کی کوئی ضرورت نہ تھی
ایک ٹوٹا ہوا آئینہ
جس میں آئینہ گر کی بھی صورت نہ تھی (۴۸)

شاعر اپنی نظم شکست و ریخت میں بیان کررہے ہیں کہ وقت کے ساتھ بہت تبدیلی آجاتی ہے۔ جس چیز پر آپ کو ناز ہوتا ہے وقت کے بدلنے کے ساتھ آپ کی سوچ بدل جاتی ہے۔ جب ہم ٹھکرائے جاتے ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ احساس کمتری پیدا ہوجاتی ہے۔

میری حیات کو تھا ناز جن سہاروں پر
انہی کو میں نے بڑی سرکشی سے ٹھکرایا
رہا ہے قلب کو اصرار جن کی عظمت پر
انہی عظیم روایات پر ستم ڈھایا (۴۹)

سحر انصاری اپنی نظم استفسار میں معاشرتی کرداروں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف انسانی خصلت بیان کی ہے اور دوسری طرف گناہوں کی دلدل میں ڈوبے ہوئے ہیں اور توبہ کررہے ہیں۔

بدی کو پانی کی طرح پی کر
گند کو کھانے کی طرح کھا کر
یہ کون لوگ اپنی مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں معبدوں میں (۵۰)

یہ کون ہیں جن کو اب یہ احساس ہوچلا ہے

کہ ان کی نسلوں کو اور ان کو
گزرتے وقت اور بہتے پانی کا غم رہے گا (۵۱)

سحر انصری اپنی نظم پائیز میں کہہ رہے ہیں کہ سردی کا موسم بے سروسامانی کے باعث تکلیف کا باعث بن جاتا ہے۔

ہیں علم سرد ہواؤں کے تیر
نیم جان برگ شجر
خاک بسر
اور اس بے سروسامانی میں
بے ضرر زیست بھی سفاک نظر آتی ہے (۵۲)

سحر انصاری اپنی نظم تاریکیوں کا حساب میں کہہ رہے ہیں کہ معاشرے میں برائی کا اندھیرا ہے اور ذرا سی بھی امید کی کرن نظر آتی ہے تو ہلکی سی روشنی بھی اندھیرے کو توڑ ڈالتی ہے۔

شہر کے شب زدہ پیرہن میں کہیں
کہکشاں کی طرح روشنی تو نہیں
پیرہن میں سیاہی کے ہر داغ پر
روشنی کی لکیروں کے پیوند ہیں
اور اس شہر کے دل کی قندیل پر
روشنی کی لکیروں کے در بند ہیں (۵۳)

سحر انصاری نے اپنی نظم ایک آواز میں سوالیہ انداز میں جذبوں اور احساسات کی کیفیت کو سوال جواب کے روپ میں بیان کیا ہے۔

تم یہ سوچتے ہو احساس کیا چیز ہے
اور احساس کی زندگی میں کوئی قدر و قیمت نہیں
زندگی تو کسی اور ہی رمز کا نام ہے
مگر تم نے اس رمز کو رمز کی طرح سمجھا کہاں ہے
کبھی اپنے احساس کی آگ میں جل کے دیکھو
خود فریبی کے سب آبگینے پگھل جائیں گے (۵۴)

نظم آلاؤ میں شاعر انسان کے اندر جینے کی امنگ پیدا کررہے ہیں جو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔

پھر اس الاؤ نے ہم سے کہا کہ دیوانو!
وہ شے جو شعلہ فشاں ہے تمھارے سینوں میں
اسی کو زیست کا روشن الاؤ کہتے ہیں
یہی الاؤ ہے جس نے مہیب راتوں میں (۵۵)

سحر انصاری نے اپنی نظم ریزہ وجود میں انسان کے وجود کے ریزہ ریزہ ہوجانے کے کرب کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

مری نظر کے سامنے
نہ جانے کتنے جسم تھے کہ ٹوٹ کر بکھر گئے
میں ایسے ہولناک تجربوں کے بعد بار بار
خود کو یوں سنبھالتا ہوں جیسے اپنے ہات سے
میں گر کے ٹوٹ جاؤنگا۔ (۵۶)

سحر انصاری تاریخی شعور رکھتے ہیں اور اسی بنیاد پر وہ جانتے ہیں کہ انسان جسم و جان کی ان گنت کامیابیوں اور وجدان وفکر کی بے پناہ ترقیوں کے بعد بھی کچھ ان دیکھی اور کچھ جانی پہچانی زنجیروں کے زندانی بنے ہوئے ہیں۔ لیکن سحر انصاری خود کبھی شکستہ نہیں ہوتے۔ وہ انسانی روایت کو اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کو آئندہ نسلوں میں منتقل کرنے کی پوری خواہش رکھتے ہیں۔ وہ جسم و جان پر لگے ہوئے زخموں کے دکھ میں کراہتے ضرور ہیں لیکن ان میں پتھر جیسے اندھیرے کو توڑ کر سیاہ اجالوں تک پہنچنے کا حوصلہ موجود رہتا ہے۔ (۵۷)

میں کوئی خواب، کوئی روح نہیں
میرے پاس آؤ مری بات سنو
گردش شام وسحر کی ذد میں
میں نے اک عمر گزاری ہے مگر
میں بھی انسان ہوں مرجاؤں گا
خاک کی طرح بکھر جاؤں گا (۵۸)

سحر انصاری نے اپنی نظم درد کی پرچھائی میں صدیوں سے چلے ہوئے انسانی زندگی کے غم کو بیان کیا ہے۔

ناوک غم کی خبر کوئی نئی بات نہیں

ضرر خون جگر کوئی نئی بات نہیں
زندگی زخم نما آنکھ لئے صدیوں سے
سازش کشمکش مہر وستم دیکھتی ہے
اک ہجوم خلش و کرب و الم دیکھتی ہے (۵۹)

سحر انصاری اپنی نظم احساس میں ہارجیت کا تذکرہ کررہے ہیں۔کسی کو پانے اور کسی سے بچھڑنے کے معاملے کو بیان کررہے ہیں۔

جو بچھڑ گیا
اور یاد نہیں (۶۰)

سحر انصاری اپنی نظم لمحوں کے سراب میں اپنی آرزوں اور خواہشوں کو بیان کررہے ہیں جو حقیقت نہ بن سکے۔

کب تلک چلتے رہیں ان بند آنکھوں کے چراغ
اک نہ اک اندھی گلی میں جاکے ہوجاتی ہے گم ہر راہِ خواب
اور رہ جاتے ہیں یہ بے چہرہ بے جسم لمحوں کے سراب (۶۱)

سحر انصاری اپنی نظم فطرت میں انسانی رویے کو بیان کررہے ہیں۔

سوچتے کیا ہو
بے رحم اندھی ہوا
پیڑ کے زرد پتوں سے کیوں آکے ٹکرا گئی
شاخ در شاخ کن آرزؤں کا نوحہ لکھا ہے (۶۲)

سحر انصاری اپنی نظم نیا مثالیہ میں اپنی محبت سے مخاطب ہورہے ہیں۔

جانِ جان!
تو عہد گاہِ جسم و جاں میں تھی کبھی
تو بہار بستر و نو روز آغوش وصال (۶۳)

سحر انصاری اپنی نظم گرگ آشتی میں خزاں کے موسم میں موجودہ برف کا منظر نامہ پیش کیا ہے۔سبزہ ہونے کے باوجود اس پر موجود برف ہونے کی وجہ سے سورج کا وجود بے معنی ہے۔خزاں کے موسم میں سورج بے معنی ہوجاتا ہے۔

گھنے درختوں کو اور سرسبز وادیوں کو

خزاں نے تاراج کر دیا ہے
تمام دفتر تمام بازار بند ہیں اور ہر سڑک پر
برف اپنی سفید بے حس تہس بچھائے
ہوا کے نادیدہ نقشِ پا کی اداس دولت سمیٹتی ہے
ہوا جو یخ پستہ شہر کی نامراد گلیوں میں
سرکشیدہ گزر رہی ہے (۶۴)

سحر انصاری نے اپنی نظم سوادِ شب میں اداسی کی رات کا منظر بیان کیا ہے۔

نیم شب کی ریگ آلودہ ہوا
کن جزیروں سے گزر کر آئی ہے
منزلوں کی ریزہ ریزہ روشنی
کن ستاروں سے اتر کر آئی ہے (۶۵)

سحر انصاری اپنی نظم آب جو اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے کہ میں تجھے کچھ نہ دے سکا۔

تجھے میرے قرب سے کیا ملا
کہ میرا وجود تو ایک دشت خراب ہے
تری اس میں کوئی خطا نہیں
کسی تشنہ روح کو آب تازہ کی پیش کش
تو سدا سے کارِ عظیم ہے (۶۶)

شاعر اپنی نظم جراثیم میں انسانی رویوں کی فطرت رشتے ناطے کو بیان کر رہے ہیں۔ کس طرح رشتے ناطے انسان کے دل کو خوشی اور غمی کا احساس دلاتے ہیں۔

دوستو تخم احساس کو چار سو
منتشر کر کے قائم رکھو دہر میں
مزرع زیست کا اختیار نمو
کچھ نہیں مصلحت کی کمین گاہ میں (۶۷)

شاعر نے اپنی نظم ٹیکسلا میں ٹیکسلا کے تاریخی مقام کو لفظوں میں پرویا ہے۔

مٹے مٹے لٹے لٹے نشان
تازہ زندگی کے دائروں میں گھومتے ہوئے
یہ سوچتے ہیں زندگی کے کتنے روپ ہیں! (۶۸)

سحر انصاری کی غزلوں کو معاشرتی پس منظر اور جمالیاتی پس منظر دونوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ سحر انصاری نے غزلوں میں اکثر اپنی ذات کو حوالہ بنا کر فکری وفنی اظہار کیا ہے۔ ان کی غزلوں کے چند اشعار پیش خدمت ہے۔

وصال و ہجر سے وابستہ تہمتیں بھی گئیں
وہ فاصلے بھی گئے اب وہ قربتیں بھی گئیں (۶۹)

نہ سنگ میل تھا کوئی نہ کوئی نقش قدم
تما عمر ہوا کی طرح سفر میں رہے (۷۰)

میری آشفتہ مزاجی میں نہیں کوئی کلام
روٹھ کے سارے زمانے سے منایا ہے تجھے (۷۱)

اک خوشی کا خیال آتے ہی
چھاگئی ذہن پر اداسی کیوں (۷۲)
ملنے والے بچھڑ بھی سکتے ہیں
تیری آنکھوں میں ہے اداسی کیوں (۷۳)

سحر نصیب وفا قتل گاہ شب ہی سہی
میرے لہو میں ستارے تو کہکشاں کے ہیں (۷۴)

نہ ملنے کی قسم کھا کے بھی میں نے
تجھے ہر راہ میں ڈھونڈا بہت ہے (۷۵)

نجانے کیوں بچا رکھے ہیں آنسو
ابھی شاید مجھے رونا بہت ہے (۷۶)

اب نہ کبھی آئے گی لب پہ ہماری ہنسی
دل کو ہمارے قرار اب نہ کبھی آئے گا (۷۷)

نمود کے پس منظر میں زبان و بیان کا گہرا شعور تہذیب و روایت سے آگہی، مطالعے کی وسعت اور عصری رجحانات ذوق شعری سے ہم آہنگ ہوکر فن پاروں میں خوبصورت تشبیہات، اور علامات کو جنم دیتے ہیں۔ ان میں جدید سائنسی اور علمی حوالوں کے ساتھ ساتھ ادبی و شعری الفاظ و اصطلاحات کو بھی استعارہ بنایا گیا ہے۔ تجربہ گاہ میں ایک دن، آثار خانہ، زندگی اور جراثیم وغیرہ سائنسی اصطلاحات اور اثرات نظر آتے ہیں۔ (۷۸)

نمود کی کئی نظمیں ایسی ہیں جن کے مصرعے مکمل مفہوم کی بدولت اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ واضح اور منظّم فکر اسلوب کو پیچیدہ نہیں ہونے دیتی۔ (۷۹)

الغرض پروفیسر سحر انصاری کی نمود کا تفصیلی جائزہ لینے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری اعلیٰ درجے کی شاعری ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مجتبیٰ حسین، پروفیسر، ''سوچتی ہوئی شاعری'' مشمولہ نمود، کراچی، ۱۹۷۶ء ص ۱۳
۲۔ جاذب قریشی، تخلیقی ادب، مکتبہ کامران، کراچی، ۲۰۰۷ء ص ۱۶۳
۳۔ مجتبیٰ حسین، پروفیسر، ''سوچتی ہوئی شاعری'' مشمولہ نمود، کراچی، ۱۹۷۶ء ص ۱۴
۴۔ ایضاً، ص: ۱۵
۵۔ ایضاً، ص: ۱۵
۶۔ ایضاً، ص: ۱۶
۷۔ اسماء حسن، ''کبھی اس باب میں سوچا بہت ہے''، مشمولہ، نمود کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۱۳
۸۔ ایضاً، ص: ۲۷
۹۔ ایضاً، ص: ۲۷
۱۰۔ ایضاً، ص: ۲۸
۱۱۔ سحر انصاری، نمود، حیدر پرنٹرز ناظم آباد کراچی، ۱۹۷۶ء، ص ۳۲
۱۲۔ ایضاً، ص: ۳۵
۱۳۔ ایضاً، ص: ۳۶
۱۴۔ ایضاً، ص: ۴۰
۱۵۔ ایضاً، ص: ۴۱

۱۶۔ ایضاً،ص: ۴۳
۱۷۔ ایضاً،ص: ۴۴
۱۸۔ ایضاً،ص: ۵۳
۱۹۔ ایضاً،ص: ۵۴
۲۰۔ ایضاً،ص: ۵۶
۲۱۔ ایضاً،ص: ۵۹
۲۲۔ ایضاً،ص: ۶۴
۲۳۔ ایضاً،ص: ۶۷
۲۴۔ ایضاً،ص: ۶۸
۲۵۔ ایضاً،ص: ۷۱
۲۶۔ ایضاً،ص: ۷۵
۲۷۔ ایضاً،ص: ۷۸
۲۸۔ ایضاً،ص: ۷۹
۲۹۔ سحر انصاری، نمود، حیدر پرنٹرز کراچی ۱۹۷۶ء ص: ۸۲
۳۰۔ ایضاً،ص: ۸۴
۳۱۔ ایضاً،ص: ۸۸
۳۲۔ ایضاً،ص: ۹۰
۳۳۔ ایضاً،ص: ۹۷
۳۴۔ ایضاً،ص: ۹۸
۳۵۔ ایضاً،ص: ۱۰۲
۳۶۔ ایضاً،ص: ۱۰۳
۳۷۔ ایضاً،ص: ۱۰۴
۳۸۔ ایضاً،ص: ۱۰۷
۳۹۔ ایضاً،ص: ۱۰۹
۴۰۔ ایضاً،ص: ۱۱۳
۴۱۔ ایضاً،ص: ۱۱۷
۴۲۔ ایضاً،ص: ۱۱۸
۴۳۔ ایضاً،ص: ۱۲۰
۴۴۔ ایضاً،ص: ۱۲۲
۴۵۔ ایضاً،ص: ۱۲۵
۴۶۔ ایضاً،ص: ۱۲۷
۴۷۔ ایضاً،ص: ۱۳۰
۴۸۔ ایضاً،ص: ۱۳۵

۴۹۔ ایضاً،ص: ۱۳۷
۵۰۔ ایضاً،ص: ۱۴۱
۵۱۔ ایضاً،ص: ۱۴۲
۵۲۔ ایضاً،ص: ۱۴۳
۵۳۔ ایضاً،ص: ۱۴۹
۵۴۔ ایضاً،ص: ۱۵۰
۵۵۔ ایضاً،ص: ۱۵۵
۵۶۔ ایضاً،ص: ۱۵۷
۵۷۔ جازب قریشی، تخلیقی ادب، مکتبہ کامران۔ کراچی۔ ۲۰۰۷ء ص: ۱۷۲
۵۸۔ سحر انصاری، نمود، حیدر پرنٹرز کراچی ۱۹۷۶ء،ص: ۱۶۲
۵۹۔ ایضاً،ص: ۱۶۵
۶۰۔ ایضاً،ص: ۱۶۶
۶۱۔ ایضاً،ص: ۱۶۷
۶۲۔ سحر انصاری،نمود، حیدر پرنٹرز کراچی ۱۹۷۶ء،ص: ۱۷۰
۶۳۔ ایضاً،ص: ۱۷۳
۶۴۔ ایضاً،ص: ۱۷۸
۶۵۔ ایضاً،ص: ۱۸۳
۶۶۔ ایضاً،ص: ۱۸۷
۶۷۔ ایضاً،ص: ۱۸۹
۶۸۔ ایضاً،ص: ۱۹۱
۶۹۔ ایضاً،ص: ۴۹
۷۰۔ ایضاً،ص: ۵۱
۷۱۔ ایضاً،ص: ۶۲
۷۲۔ ایضاً،ص: ۷۲
۷۳۔ ایضاً،ص: ۷۳
۷۴۔ ایضاً،ص: ۷۴
۷۵۔ ایضاً،ص: ۸۰
۷۶۔ ایضاً،ص: ۸۱
۷۷۔ ایضاً،ص: ۱۰۸
۷۸۔ اسماء حسن،’’کبھی اس باب میں سوچا بہت ہے‘‘،مشمولہ، نمود کراچی، ۱۹۷۶ء،ص: ۱۰
۷۹۔ ایضاً،ص: ۱۱